پورے اطمینان خشوع وخضوع اور حضوری قلب کے ساتھ اپنے رب کے سامنے گڑگڑا سکتا ہے

يَآ أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِّصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ (المزمل: ۱-۴)

"اے کپڑے میں لپٹنے والے رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر کم۔ آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لو، یا اس سے کچھ زیادہ بڑھا دو، اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔"

(بخاری شریف)

بقیہ: مولانا آزاد اور وحدتِ دین

"حتی کہ اب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ ایک طرف مسلمانوں کی معاشرتی واجتماعی زندگی مختل ہو رہی ہے کیوں کہ اس کی تمام ضرورتوں کے مطابق احکام فقہ نہیں ملتے اور شریعت کو فقہ کے مذاہب (فقہ اربعہ) میں منحصر سمجھ لیا گیا ہے..... دوسری طرف اسلامی حکومتوں نے قوانین شرع پر عمل درآمد ترک کر دیا ہے اور اس کی جگہ یورپ کے دیوانی اور فوجداری قوانین اختیار کرنے لگے ہیں کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ دفاتر فقہ وقت کے انتظامی ومعاشرتی مقتضیات کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اور کوئی نہیں جو انہیں بتلائے کہ اللہ کی شریعت کا دامن اس نقص سے پاک ہے اور وہ کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتے تو انہیں اس زمانہ کے لئے ایسے ہی اصلح واوفق قوانین مل جاتے۔ جس طرح پچھلے عہدوں کے لئے مل چکے ہیں

(ترجمان دوم صفحہ ۱۲۶)

تکمیل شریعت پر اتنی جامعیت اور اہمیت کے ساتھ روشنی ڈالنے والا کیا دوسرے مذاہب کو اور اسلام کو ایک سطح پر رکھ سکتا ہے؟

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

aid.com

(۷)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

حکمتِ اقبال

اقبال کے افکار حکمتِ مغرب سے ماخوذ نہیں

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اقبال نے اپنے تصورات حکمائے مغرب سے مستعار لیے ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کی نگاہ میں اقبال پر لکھنے یا ریسرچ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اقبال کے ماخذ کو حکمتِ مغرب میں تلاش کیا جائے اور اسے وہ ایک نہایت ہی ضروری اور بڑا عظیم الشان کام سمجھتے ہیں جو لوگوں کو اقبال پر کرنا چاہیئے۔ دراصل یہ لوگ مادی علوم میں مغرب کے تفوق سے مرعوب ہو کر یہ سمجھتے ہیں کہ ان انسانی علوم میں بھی جس کو اقبال نے اپنے غور وفکر کا موضوع بنایا ہے، کہاں کوئی مشرق کا آدمی مغرب سے الگ راہیں پیدا کر سکتا ہے۔ حالانکہ حکمائے مغرب کو خود اعتراف ہے کہ وہ انسانی علوم میں کوئی ترقی نہیں کر سکے یہ لوگ اس بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ تمام حکیمانہ افکار کسی نہ کسی تصورِ حقیقت کے اجزا و عناصر ہوتے ہیں۔ اس کی تشریح اور تفسیر کرتے ہیں اور اس کے ارد گرد ایک نظامِ حکمت بناتے ہیں اقبال کا تصورِ حقیقت اسلام کا خدا ہے جس کے لیے وہ خودیٔ عالم کی فلسفیانہ اصطلاح کام میں لاتا ہے اور مغرب میں ایک بھی فلسفی ایسا نہیں جس کا تصورِ حقیقت اسلام کا خدا ہو لہٰذا ممکن ہی نہیں کہ کسی مغربی حکیم کا کوئی تصور اپنی اصلی حالت میں اقبال کے کام آسکے اس میں شک نہیں کہ خودی (SELF) کی فلسفیانہ اصطلاح بعض حکمائے مغرب نے بھی استعمال کی ہے لیکن ان میں کسی کے ہاں اس اصطلاح کے معنی وہ نہیں لیے گئے جو اقبال نے لیے ہیں اور جس کے منطقی یا عقلی مضمرات یا نتائج اسلام کے خدا کی صفات کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوں اگر اقبال کے فلسفہ کا مرکزی تصور یعنی تصورِ خودی اس کا اپنا تصور ہے جو کسی اور فلسفی کے ہاں موجود نہیں تو پھر ضروری ہے

© rasailojaraid.com

کہ اقبال کے اس مرکزی تصور کے مضمرات و متضمنات بھی اس کے اپنے تصورات ہوں اگرچہ ان میں سے بعض ایسے ہوں جو کچھ مغربی فلسفیوں کے تصورات سے مشابہت رکھتے ہوں اور بظاہر ان سے مستعار نظر آتے ہوں۔

ظاہر ہے کہ ایک فلسفی جب اپنے تصور حقیقت کی تشریح یا ترجمانی کرے گا اور اس کے نتائج اور مضمرات پر بحث کرے گا تو اس غرض کے لیے ان تمام حقائق کو کام میں لائے گا جو اس کی تعلیم و تربیت اور مطالعہ اور مشاہدہ نے اس کے دائرۂ علم میں داخل کر رکھے ہوں گے لیکن یہ حقائق اس کے تصور حقیقت کے رشتہ میں منسلک ہوتے وقت اس تصور کے رنگ میں اس طرح رنگے جائیں گے کہ وہ عقلی اور منطقی طور پر اسی کے مضمرات بن جائیں گے۔ اقبال کے معلوم حقائق اسے اپنے تصور حقیقت کے نتائج کے استخراج اور استنباط میں اس کی مدد دیتے ہیں اس کے لیے ایک اکساہٹ کا کام دیتے ہیں اس کی توجہ کو ضروری سمتوں کی طرف مبذول کرتے ہیں لیکن خود اپنی اصلی حالت میں اس کے تصور حقیقت کے نتائج نہیں بن سکتے بظاہر نظر آئے گا کہ وہ ان حقائق کو پوری طرح سے استعمال کر رہا ہے لیکن درحقیقت وہ ان کو صرف اسی حد تک استعمال کرتا ہے جس حد تک کہ وہ اس کے تصور حقیقت کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں اور اس کی تشریح اور تفسیر کا درجہ اختیار کر سکتے ہیں کہا جاتا ہے کہ اقبال کا تصور ارتقا برگساں سے اس کا تصور خودی فشٹے اور نیٹشے سے اس کا تصور وجدان جیمز وارڈ سے اور اس کا تصور ریاست ہیگل سے ماخوذ ہے لیکن درحقیقت ظاہری مشابہت کے باوجود اقبال کے یہ تصورات ان فلسفیوں کے متوازی تصورات سے بہت مختلف ہیں اور اقبال اور مغرب پر لکھنے والوں کے لیے بڑا عظیم الشان کام دراصل یہی ہے کہ کس طرح سے اقبال کے تصورات ان فلسفیوں کے تصورات سے مختلف ہیں اور ان سے زیادہ معقول اور مدلل ہی نہیں بلکہ صحت اور درستی کے تمام معیاروں پر پورا اترتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اقبال نے پورے غور و فکر کے ساتھ مغربی فلسفہ کا مطالعہ کیا ہے یہاں تک کہ اقبال اس کی رگ رگ سے باخبر ہو گیا ہے اور وہ اس کے آب و گل میں سرایت کر گیا ہے ؎

ہے فلسفہ مرے آب و گل میں پوشیدہ ہے ریشہ ہائے دل میں

d.com

اقبال [illegible] ہے
[illegible] کی آگ [illegible] سے با خبر ہے

لیکن مغرب کے فلسفے [illegible] پر کوئی اثر نہیں کیا ہے۔ وہ حقیقت کے غلط تصورات [illegible] ہے۔ اس مسئلے کے متعلق وہ کہتا ہے۔

انجام خرد ہے بے حضوری
ہے فلسفۂ زندگی سے دوری
[illegible] اپنی خودی اگر نہ کھوتا!
زناری برگساں نہ ہوتا!
ہیگل کا صدف گہر سے خالی
ہے اس کا طلسم سب خیالی

حکمائے مغرب کے تصورات سے متاثر اور مرعوب ہونا تو درکنار اقبال ان تصورات کو اپنے وجدان حقیقت کی روشنی میں پرکھتا ہے اور جانتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کہاں تک درست اور کہاں تک غلط۔ جس حد تک کوئی تصور درست ہوتا ہے وہ اسے اپنے حکیمانہ موقف کی تشریح اور تفسیر کے لیے کام میں لاتا ہے اور جس حد تک وہ غلط ہوتا ہے وہ اسے نظر انداز کرتا ہے بلکہ اس کے خلاف تنبیہ کرتا ہے۔ حکمت مغرب کا طلسم اس پر کام نہیں کرتا۔ وہ جانتا ہے کہ حکمت مغرب میں دانہ بھی ہے اور دام بھی اور وہ دانہ کو لے لیتا ہے اور دام کو توڑ ڈالتا ہے۔ اس طرح سے حکمتِ مغرب کی آگ اس کے لیے گلزارِ ابراہیم بن جاتی ہے۔

طلسمِ عصرِ حاضر را شکستم
ربودم دانہ و دامش گسستم
خدا داند کہ مانندِ براہیم
بنارِ او چہ بے پروا نشستم

© rasailojaraid.

فلسفۂ خودی کی آسان اور مختصر تشریح کا مطالبہ درست نہیں

پھر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اقبال کے فلسفۂ خودی کی تشریح کو آسان اور مختصر ہونا چاہیے لیکن یہ مطالبہ جو در اصل فلسفۂ خودی کی نوعیت کو نظر انداز کرنے سے پیدا ہوتا ہے درست نہیں فلسفۂ خودی کوئی قصہ یا داستان نہیں کہ ہم چاہیں تو اسے مختصر بھی کر سکیں اور آسان بھی یہ مطالبہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی شخص کہہ دے کہ علمِ طب کو یا طبیعات کو یا حیاتیات کو یا نفسیات کو آسان اور مختصر ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ ان علوم میں سے کوئی بھی اپنی قدرتی حدود سے زیادہ نہ آسان ہو سکتا ہے اور نہ مختصر۔ ان میں سے ہر ایک اشیاء کے اوصاف و خواص کا علم ہے اور اشیاء کے اوصاف و خواص تو وہی ہو سکتے ہیں جو قدرت نے ان کو دیئے ہیں۔ ہم ان کو تعداد میں کم نہیں کر سکتے لہٰذا ان کے علم کو آسان یا مختصر کیسے بنا سکتے ہیں۔ فلسفۂ خودی بھی روحِ انسانی کے اوصاف و خواص کا علم ہے چونکہ روحِ انسانی کے اوصاف و خواص وہی ہیں جو قدرت نے اسے دیئے ہیں لہٰذا ہم روحِ انسانی کے علم کو بھی اس کی قدرتی حدود سے زیادہ آسان یا مختصر نہیں بنا سکتے۔ اگر ہم ریاضیات یا طبیعات کے علم میں سے بی اے یا بی اے کے اوپر کے معیار کے مسائل یا حقائق کو حذف کر کے صرف انٹرمیڈیٹ کے معیار کی ایک کتاب لکھ دیں تو ہمارا یہ دعویٰ غلط ہوگا کہ ہم نے ریاضیات یا طبیعات کو آسان اور مختصر کر دیا ہے۔ درآنحالیکہ دوسروں نے اسے خواہ مخواہ طویل اور مشکل بنا دیا تھا اور پھر علم کے متعلق انسان کا قدرتی اور صحیح مطالبہ یہ نہیں کہ وہ مختصر ہو بلکہ یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ وسیع اور مفصل ہو۔ انسان اپنی فطرت سے مجبور ہے کہ وہ علم کو برابر وسعت دیتا رہے اور اس غرض کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہ کرے اور کسی خطرے کو زیادہ نہ سمجھے علمی ریسرچ جس پر کروڑوں روپیہ دنیا بھر میں صرف ہو رہا ہے اور ہزاروں فضلا اور حکماء کام کر رہے ہیں انسان کی فطرت کے اسی پہلو کو مطمئن کرتا ہے اور پھر روحِ انسانی کے اوصاف و خواص کا علم تو تمام علوم سے زیادہ ضروری اور مفید ہے بلکہ یہ علم تو انسان کی زندگی اور موت کا سوال ہے۔ اس کے بغیر اس وقت انسانیت ہلاکت کے دروازے پر کھڑی ہے کیا ایسے مطالبے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کے متعلق کم جانے اور زیادہ تر تاریکی میں رہے تاکہ اس کے اعمال میں

d.com

راہ دانی کا عنصر کم ہو اور بے راہ روی کا عنصر زیادہ ہو جس طرح سے ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے جسمانی اعمال اور وظائف کو زیادہ سے زیادہ سمجھیں تاکہ جسمانی بیماریوں کے عوامل اور معالجات کو زیادہ سے زیادہ جانیں اور صحت اور تندرستی سے زندگی بسر کر سکیں اسی طرح سے ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی خودی کے اعمال اور وظائف کو زیادہ سے زیادہ سمجھیں تاکہ خودی کی بیماریوں کے عوامل اور معالجات کو زیادہ سے زیادہ جانیں اور اپنی ساری زندگی کو خوشگوار بنا سکیں دورِ حاضر میں انسانی سوسائٹی کی تمام خرابیوں اور بدحالیوں کا جن میں جنگ، مفلسی، بداخلاقی، بے اطمینانی، ظلم اور تشدد شامل ہیں، اور انسانی علوم کے اندرونی انتشار اور بے ربطی کا باعث خودی کے علم کی کمی ہے۔ ہر علم ترقی کرتا ہے یہ علم کی ایک خصوصیت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف سے انسان کا علم پیاسا ہے اور دوسری طرف سے اشیاء کے خواص و اوصاف کے علم کی کوئی حد نہیں اور پھر علم جب وسیع ہو گا اور ترقی کرے گا تو اسی نسبت سے اس کو حاصل کرنا بھی مشکل ہوتا جائے گا تو پھر کیا ایک علم ایسا ہونا چاہیے جسے ہم بہ تکلف آسان اور مختصر رکھیں اور وہ علم بھی جوہر انسانی کا علم ہو جو سب سے زیادہ ضروری ہے ہم اپنے کسی عزیز کو جو پھیپھڑے کی بیماری میں مبتلا ہو کسی ایسے ڈاکٹر کے پاس نہیں لے جا سکتے جس کا علم انسانی پھیپھڑوں کے متعلق آج سے پچاس سال پہلے کی تحقیقات تک محدود ہو یا جس کے متعلق ہمیں معلوم ہو کہ پھیپھڑوں کے متعلق جو علم انسان کو آج تک حاصل ہو سکا ہے وہ اس کا نصف ہی جانتا ہے تو پھر جوہر انسانی کے متعلق محدود واقفیت کی خواہش کرنے میں کون سی حکمت ہے ہاں یہ درست ہے کہ خودی کا علم تو زیادہ سے زیادہ مبسوط اور مفصّل بنایا جائے لیکن مبتدیوں کے لیے آسان اور مختصر کتابیں بھی ہوں پھر جو لوگ علم خودی کے ماہرین بننا چاہیں وہ ایسی کتابوں کا مطالعہ کریں جو علم خودی کی ان انتہائی تفصیلات پر مشتمل ہوں جو آج تک انسان کے دائرہ علم میں آ چکی ہیں تاکہ وہ ان تفصیلات کی گہرائیوں میں اور جائیں اور ان میں اضافہ کریں اور اس طرح سے خودی کا علم ترقی کرتا رہے اور پھر اس بات پر بھی غور فرمائیے کہ مشکل اور آسان کے اوصاف محض اضافی ہیں جو علم ایک شخص کے لیے مشکل ہے وہ دوسرے کے لیے آسان ہو جاتا ہے جو اسے محنت سے حاصل کرتا ہے۔

مشکل علوم میں سے کون سا علم ایسا ہے جس کے ماہرین ضروری تعداد میں موجود نہ ہوں اگر علم حاصل

© rasailojaraid.

کرنے کی خواہش نہ ہو تو کوئی علم آسان نہیں ہوتا۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ آسان ہے لیکن خود عربی دانوں میں ایسے لوگوں کی تعداد کم نہ ہوگی جن کے لیے بغیر کوشش اور محنت کے قرآن کا سمجھنا مشکل ہے دراصل قرآن کے اس دعویٰ کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن صداقت ہے اور صداقت چونکہ پہلے ہی انسان کے دل کے اندر موجود ہوتی ہے لہٰذا جو شخص اپنے آپ کو یا اپنے دل کو جانتا ہو اس کے لیے اس کا سمجھنا اور باور کرنا آسان ہوتا ہے۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

(بلکہ وہ روشن یعنی واضح اور قابل فہم آیات ہیں جو پہلے ہی ان لوگوں کے دلوں میں موجود ہیں جن کو اپنے آپ کا علم دیا گیا ہے)

فلسفہ خودی بھی چونکہ سچا فلسفہ ہے اور انسان کا دل اس کے نکات کی صحت کی شہادت دیتا ہے لہٰذا وہ آسان ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مطالعہ یا کوشش یا محنت کے بغیر سمجھ میں آسکتا ہے قدرت کا قانون ہے کہ انسان کوشش کے بغیر کوئی چھوٹی یا بڑی کامیابی حاصل نہیں کرسکتا۔

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى

انسان وہی کچھ حاصل کرسکتا ہے جس کے لیے کوشش کرے۔

کیا اقبال پر مزید لکھنے کا دور ختم ہوچکا ہے

پھر بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اقبال پر لکھنے کا زمانہ اب ختم ہوگیا ہے کیونکہ اس پر جو کچھ لکھا جاسکتا تھا لکھا جاچکا ہے اقبال کی تحریروں کو اور نچوڑنے سے کیا نکلے گا۔ آخر اقبال پر کہاں تک کوئی لکھ سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ بھی فلسفہ خودی کی نوعیت پر اور اس کی توسیع اور تنظیم کی ممکنات پر اور ان تصورات کی کمیت اور کیفیت پر غور نہیں کرتے جو اس میں مضمر ہیں۔ اقبال نے خودی پر لکھا ہے لہٰذا اقبال پر لکھنے کے معنی یہ ہیں کہ اقبال کے افکار کی روشنی میں خودی کے موضوع پر لکھا جائے اور خودی کے موضوع کی وسعت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ خودی حقیقت کائنات ہے۔ ساری کائنات خودی کا کرشمہ

ہے اور کائنات کی ہر چیز کا باعث خودی ہے۔

پیکرِ ہستی ز آثارِ خودی است
ہر چہ مے بینی ز اسرارِ خودی است

لہٰذا جو کچھ آج تک مادی کائنات میں یا حیوانات کی دنیا میں یا انسانوں کی دنیا میں ہوتا رہا ہے یا آئندہ ہوگا وہ خودی کے اعمال و افعال اور تصرفات و اثرات کا ہی نتیجہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام قوانین قدرت خودی کے اوصاف و خواص کے مظاہر ہیں سارا علم خودی کا علم ہے خودی کا تصور علم کی ابتدا اور انتہا ہے اور حال اور مستقبل کے تمام حقائق علمی تصور خودی کے مضمرات ہیں اور اس کے اندر بالقوہ موجود ہیں۔ لہٰذا جوں جوں علم اپنے تینوں شعبوں میں یعنی مادہ، حیوان اور انسان کے شعبوں میں ترقی کرے گا تصور خودی کی تشریح کا نت نیا سامان پیدا ہوتا رہے گا اور ظاہر ہے کہ یہ عمل تا قیامت جاری رہے گا۔ اقبال پر لکھنے کا پہلا اہم قدم یہ ہے کہ ہم اقبال کے افکار کو ایک منطقی یا عقلی سلسلہ کی شکل دے کر یہ بتائیں کہ کس طرح سے طبیعات، حیاتیات اور نفسیات کے تمام سچے حقائق جو آج تک دریافت ہو سکے ہیں، تصور خودی کے اجزاء و عناصر ہیں۔ یہ اقبال کے فلسفۂ خودی کی پہلی تشریح اور تفسیر ہوگی جسے فلسفۂ خودی کے ماہرین ہی نہیں بلکہ تمام تعلیم یافتہ لوگ بھی آسانی سے سمجھ سکیں گے جب اقبال کی اس قسم کی تشریح وجود میں آئے گی تو اس وقت صاف طور پر نظر آجائے گا کہ اقبال کے کئی تصورات دورِ حاضر کے تمام انسانی اور نفسیاتی علوم یعنی عمومی فلسفۂ انسان و کائنات، فلسفۂ سیاست، فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ تعلیم، فلسفۂ قانون، فلسفۂ اقتصادیات، فلسفۂ تاریخ، فلسفۂ ہنر، فلسفۂ نفسیات انفرادی و اجتماعی فلسفۂ علم وغیرہ کے ساتھ کئی نقطوں پر ٹکراتے ہیں۔ لہٰذا ان علوم میں سے کسی پر قلم اٹھانے والا اقبال کے ان تصورات کی تردید یا توثیق کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکے گا اور اقبال کے تصورات کی بنیاد اس قدر مضبوط ہے اور وہ تصورات اس قدر صحیح ہیں کہ رفتہ رفتہ یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان کی معقول تردید ممکن نہیں اور ان کی توثیق کے بغیر چارہ نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اقبال پر لکھنے کا دوسرا اہم قدم یہ ہوگا کہ تصورِ خودی کے بنیادوں پر ان تمام علوم کی تدوین اور تعمیر نئے سرے سے کی جائے گی جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور ان علوم کی تعمیر نو کے سلسلہ میں بتایا جائے گا کہ کس طرح سے ان علوم

© rasailojaraid.